بلوچستان کے پشتو شعر و ادب اور سلطان محمد صابر: ایک تجزیہ

پروفیسر داور خان داوٗد*
ڈاکٹر سید ظفراللہ بخشالی**

Abstract

Abstract Sultan Muhammad Sabir born in Quetta in 1925 and died in 2008.He was a scholar and researcher of Pashto language and literature.His contribution in Pashto journalism is matchless. Besides Pashto he also know Arabic, Persian and English languages.His forefathers belong to ghilzai tribe of Pashtuns who had been migrated from Afghanistan to QuettaBaluchistan in the reign of Amir Abdur Rahman.He has been a member of Pakistan academy of letters and academic council of the University of Baluchistan.This article presents a short life sketch and works of this great literary -gure of Baluchistan.

بلوچستان[۱] پاکستان کا ایک زرخیز اور مردم خیز صوبہ ہے جو ماضی میں انگنت شعراء، ادباء، علماء، حکماء و فضلا کا جنم بھومی رہا ہے۔ بلوچ، پشتون، براہوی اور دیگر متعدد قبائل و اقوام یہاں کے مختلف بولیاں بولنے والے باسی ہیں۔ سلطان محمد صابر جو کہ بلوچستان کے فلک ادب پر ایک تابندہ اور درخشندہ ستارے کی مانند نمودار ہوئے، پشتونوں کے معروف قبیلے خلجی کے چشم و چراغ ہیں جو کہ 1925ء کو عبدالغفور کے ہاں بلوچستان کے مرکزی شہر (کوئٹہ۲) میں متولد ہوئے۔ وہ جنوبی پختونخوا کے صوبہ بلوچستان کے آبیاران گلشن پشتو کے

---

* ریسرچ آفیسر پشتو ادبی بورڈ پشاور۔
** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ پشتو جامعہ عبدالولی خان مردان۔

مقبول و معروف شاعر، ہر دلعزیز ادیب، معتمد صحافی، عظیم مؤرخ اور ژرف نگاہ مورخ تھے۔ ان کی تخلیق، تحقیق، اور صحافت کے میدان میں پشتو زبان و ادب پر گرانقدر احسانات قابل صد ستائش ہیں۔ الغرض وہ پشتو زبان و ادب کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ ان کا شمار صوبہ بلوچستان کے پشتو شعراء او ادباء کے صف اول میں ہوتا ہے۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ پشتو سلطنت ادب پر نہایت طمطراق سے اپنی حکمرانی کا جھنڈا لہرایا۔ انہوں نے اپنی راج دھانی میں جو کہ سیاست، صحافت اور ادب کے وسیع و عریض قطعہ ارض پر پھیلی ہوئی تھی، زبردستوں کی دادرسی کو ہمیشہ اپنا شعار بنایا۔ صابر صاحب نے پشتو شعر و شاعری کے خارزار سنگزار کو لالہ زار اور باغ و بہار بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن باین ہمہ یہ بات قابل صد افسوس ہے کہ ان کی ان ادبی، صحافتی اور سیاسی صلاحیتوں کو کماحقہ، درخوار اعتنا نہیں سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ :

قدر زر زرگری شناسی قدر جوہر جوہری

انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کوئٹہ میں پایہ تکمیل تک پہنچائی۔ 1935ء میں کوئٹہ میں زلزلے کے دوران میں دو سال کے وقفہ کے بعد دوبارہ سکول میں داخلہ لیا۔ رسمی او عصری لحاظ سے میٹرک کے بعد غیر رسمی طور پر عربی، فارسی، پشتو، اور انگریزی علوم سیکھ لئے۔ زبان و ادب اور تاریخ کی متعدد کتب کا سیر حاصل مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ ان جملہ زبانوں میں لکھنےپڑھنے پر مکمل دسترس حاصل کی۔

صابر صاحب کے آباؤ اجداد نے کابل (افغانستان) سے امیر عبدالرحمان کے عہد میں غزنوی سے ہجرت کرنے کے بعد کوئٹہ (بلوچستان) شہر میں سکونت اختیار کی تھی۔ اگرچہ صابر صاحب کی جائے پیدائش کوئٹہ ہے لیکن وہ کاروبار زیست کے سلسلے میں زیادہ عرصہ پشاور اور اسلام آباد میں بھی قیام پذیر رہے ہیں۔ ان کا شمار پاکستان کے ان شہرہ آفاق دانشوروں، صحافیوں، ادیبوں اور رہنماوں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے حق و صداقت کی جستجو کے لئے بے شمار بے بہا قربانیاں دی ہیں اس سلسلے میں معروف ادیب اختر محمد غلجی لکھتے ہیں۔

> صابر صاحب بلوچستان کے سماجی، سیاسی، ادبی اور علمی حلقوں میں نہ صرف ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں بلکہ ملک کے دیگر حصوں کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک افغانستان، ایران اور

ہندوستان میں بھی اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ ان ممالک کے متعدد بار دورے کئے ہیں۔[۳]

صابر صاحب اپنی خدا داد قابلیت کے بل بوتے پر 1945ء میں ائر فورس میں ملازم ہوئے۔ کچھ عرصہ تک ڈاکخانہ میں بھی کام کیا۔ 1946ء میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ ائر فورس کی ملازمت کو خیر باد کہنے کے بعد 1947ء میں محکمہ اطلاعات میں پشتو آرٹیکل رائٹر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ سال 1957ء میں اس نوکری کو بھی خیر باد کہا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی کوئٹہ آمد کے موقع پر اُسے ایک تاریخی یاداشت پیش کی گئی۔ جس میں ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے اردو، براہوئی اور بلوچی پروگراموں کی نشریات کے ساتھ پشتو سروس کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ جو حکومت وقت نے مان لیا اور یوں پشتو سروس کا باقاعدہ آغاز ہوا اور صابر صاحب کو اس کا انچارج مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں 1970ء کو اپنی محنت اور قابلیت کے بل بوتے پر ایک مستقل ادارے کی حیثیت سے پشتو اکیڈیمی کوئٹہ کی بنیاد رکھی۔[۴] یوں صابر ایک قلیل عرصہ تک پشتو اکیڈیمی کوئٹہ کے اعزازی چیئرمین کے عہدے پر فائز رہے۔ ڈاکٹر فضل دین خٹک جن کے صابر صاحب سے گہرے دوستانہ مراسم تھے ان کی پشتو اکیڈیمی کوئٹہ میں کارہائے نمایاں کو طشت ازبام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> پشتو اکیڈیمی کوئٹہ کی سربراہی کے دوران صابر صاحب نے تقریباً انیس شعراؤ ادباء کی کتابیں شائع کیں۔ ان کتابوں کے مصنفین کو عوضانہ بھی دیا گیا۔ اس وقت اکیڈیمی کی گرانٹ فقط تیس ہزار روپیہ تھی۔ اس میں دفتر کا کرایہ اور یوٹیلٹی بلز کی ادائیگی بھی شامل تھی۔[۵]

انہیں کوئٹہ ریڈیو کے ایک نیوز کاسٹر کی حیثیت سے کام کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ 1973ء میں بلوچستان یونیورسٹی کے اکیڈیمک کونسل کے ممبر ہوئے۔ علاوہ ازیں وہ اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے تاحیات ممبر بھی رہے ہیں۔ ویسے تو صابر صاحب کی زندگی تاریخی جدو جہد اور مدوجزر سے بھر پور ہے لیکن اُن کا صحافتی سفر اور اس سے وابستہ مختلف پڑاو اور منازل ایک وسیع صحافتی تاریخ پر محیط ہیں۔ فی الواقع صابر صاحب کی صحافت اور ادارت نہ صرف پشتو زبان و ادب پر ان کا ایک عظیم احسان ہے بلکہ صحافت کی تاریخ میں بھی ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے ۔

خیبر پختونخوا میں سید راحت زاخیلی (1883 – 1963ء) اور بلوچستان میں سلطان محمد

صابر کے نام پشتو صحافت میں اظہر الشّمس ہیں۔ صابر صاحب نے پہلی مرتبہ 1954ء میں بلوچستان سے پشتو کا ہفت روزہ اخبار " ہیواد" (وطن) کا اجراء کیا اور یوں انہوں نے اپنے طویل صحافتی سفر کا آغاز کیا اخبار ہذا تیس سال تک کوئٹہ سے مسلسل شائع ہونے کے بعد پشاور سے زیرِنگرانی مراد شنواری (1928– 2012ء)شائع ہونا شروع ہوا۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ہیواد محض ایک خبرنامہ نہیں ایک ادب نامہ بھی ہے۔ اس میں جتنے صفحات خبروں کیلئے وقف ہیں اتنے ادب کے لئے بھی مختص ہیں۔ اسی اخبار کے ذریعے بہت سے لوگوں کا پشتو زبان و ادب سے لگاؤ پیدا ہوا۔ درحقیقت صابر صاحب اخبار ہذا کے ذریعے پشتو زبان اور بالخصوص پشتونوں کی آواز ہر درو دیوار تک پہنچانے کے متمنی تھے۔ اس اخبار کے ذریعے ہر پشتون کو پاکستانیت کا درس دیا گیا۔ ایک روزنامہ کی حیثیت سے پشاور سے چند مہینے کی اشاعت کے بعد اس کا اسلام آباد سے ایک ہفت روزہ کی صورت میں اشاعت شروع ہوئی۔ اسلام آباد میں ہیواد کی افتتاحی تقریب کے دوران پشاور کے معروف ایڈوکیٹ لطیف آفریدی نے اپنے صدارتی خطبہ میں سامعین کو محض محظوظ کرنے کی ضمن میں اس معنی خیز جملے کا اظہار کیا۔

اسلام آباد سے پشتو اخبار کی اشاعت و اجراء گرجا گھر میں اذان دینے کی مترادف ہے۔

اسلام آباد میں یہ پشتو کا وہ واحد اخبار تھا جو ہر مہینے بیرونی ممالک کی خبریں پشتو میں شائع کرتا تھا۔ لیکن پشاور سے ایک بار پھر یہ ایک روزنامہ کی شکل میں شائع ہونا شروع ہوا۔ صابر صاحب کی 2008ء میں داغ مفارقت دینے کے بعد ان کا بیٹا نجیب اللہ خان نوین اس کا مدیر ہے۔

صابر صاحب کے اخبار ہذا کے سرکولیشن کے بارے میں کہا جاتا ہے ۔1959ء میں پہلی بار کوئٹہ سے پشتو کا ایک اخبار *ہیواد* کے نام شائع کیا گیا۔ جو اس وقت جرمنی، فرانس، جاپان، امریکہ، برطانیہ، ایران، خلیج، ہندوستان، افغانستان اور پاکستان میں بیشمار خریدار ہیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسرا اخبار جو *اتفاق* کے نام سے موسوم ہے۔ 1971ء سے اُس کی اشاعت شروع ہوئی۔[۶]

1998ء میں دی پیپلز ویکلی(The Peoples Weekly) کے نام سے ایک انگریزی اور اردو ہفت روزہ مجلّہ بھی اسلام آباد سے جاری کیا۔ ڈاکٹر فضل دین خٹک اپنے ایک

مضمون میں اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

صابر صاحب نے *ہیواد* کو ستمبر 1991ء میں فرنٹیر پوسٹ انٹرنیشل کو اس شرط کے تحت حوالہ کیا کہ وہ خود اس کی ادارت کرے گا۔ ۷

قیام پاکستان کے بعد پشتو سوسائٹی کی بنیاد رکھی اور اپنی سماجی اور سیاسی جدو جہد کا باقاعدہ آغاز کیا۔

کوئٹہ میں سب سے پہلے صابر صاحب نے پشتو ادبی *ٹولنہ* کی بنیاد رکھی اور وہ خود اس کے ابتدائی سیکرٹری جنرل نامزد ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے سید جمال الدین افغانی کے نام سے ایک دوسری تنظیم کے قیام کو عملی جامہ پہنایا۔ جس کے کنویئر بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید کرار حسین اور سیکرٹری جنرل صابر صاحب تھے ۔ایوب خان کے دور میں اس کے اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کرنے کے بعد اسے پابند سلاسل کیا گیا، جو بعد ازاں رہا ہوئے۔ علاوہ ازیں صابر صاحب نے پشتو جریدے *گلستان* کے ساتھ بھی اپنا علمی اور قلمی تعاون جاری رکھا۔

نواز احمد فطرت اپنے ایک مضمون "ممتاز دانشور، عظیم شاعر و ادیب اور سینئر صحافی سلطان محمد صابر(مرحوم) میں رقمطراز ہیں۔

جب 1935ء میں متحدہ ہندوستان میں ترقی پسند ادبی اور سیاسی تنظیم بنائی گئی۔ تو اس تنظیم کے اثرات و مضمرات نے تمام ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یوں پشتو ادب نے بھی ان اثرات کو من و عن قبول کیا۔ ترقی پسند ادیبوں کے ادب کا مقصد رومانیت، تصوریت اور ادب میں انتہائی مبالغہ آرائی کے زور کو ختم کرنا تھا اور ادیبوں اور دانشوروں کی توجہ اپنے ماحول، معاشرے اور زندگی کی زندہ مسائل کیطرف مبذول کرانا تھا۔۸

ملک میں جبرو استبداد اور تشدد سے نبردآزما ہونے کے بعد ترقی پسند ادب کے زیر سایہ مزاحمتی ادب کی مختلف منظوم و منثور اصناف دنیائے ادب میں بھی منظر عام پر آنے لگیں اور یوں شعراء و ادباء نے امریت کے خلاف اپنے خیالات و افکار کا برملا اظہار کیا۔ شعوری طور پر صابر صاحب ترقی پسندی کی عالمگیر تحریک کے زیر اثر رہے ہیں جسکے دیر پا اور انمٹ اثرات انکی شاعری پر بھی نمایاں ہیں۔صابر صاحب نے متعدد بین الاقوامی سیمناروں میں اپنے علمی اور تحقیقی مقالے پیش کئے ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں کابل افغانستان میں ایک عظیم الشان سیمینار میں شرکت کی۔ جس میں خیبر پختونخوا کے عظیم ادباء اور دانشور مولانا

عبدالقادر، فضل حق شیدا اور حمزہ شنواری بھی شریک محفل ہوئے تھے۔ بعد ازاں کابل میں ۱۹۶۶ء اور ۱۹۷۲ء میں خوشحال سیمینار میں بھی حصہ لیا تھا۔ متذکرہ مختلف سیمیناروں میں ان کے پیش کردہ مقالے اس وقت کے سیمینار کی کتاب *'ننگیالے پختون'*اور *'توریالے پختون'* میں چھپ گئی ہیں۔

۱۹۵۶ء میں مزار رحمان بابا پر ایک عظیم الشان مشاعرہ اور ۱۹۸۱ء میں اباسین آرٹس کونسل پشاور کے زیر اہتمام خوشحال بابا کے ایک یادگار سیمنار میں ان کے مزار واقع موضع ایسوڑی(اکوڑہ خٹک) میں بھی شریک ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں بی بی سی سے پشتو پروگرام شروع کرنے میں بھی حصہ لیا ہے۔ ۹

صابر صاحب نے پشاور سے شائع ہونے والے پشتو جریدے سہ ماہی *تاترہ* کے ادارے کے ساتھ بھی قلمی تعاون آخری وقت تک جاری رکھا۔ چونکہ ان کے متذکرہ مجلّہ کے مدیر اعلیٰ عظیم دانشور اور صوبہ خیبر پختونخوا کے سابق چیف سیکرٹری محمد اعظم خان کے ساتھ ذاتی تعلقات تھے۔ لہٰذا *تاترہ* کے ادارے نے ان کی شایان شان *تاترہ* کا ایک خصوصی شمارہ ''سلطان محمد صابر نمبر'' شائع کیا۔ ۱۰

صابر صاحب کی ادبی خدمات کومختصراً ان الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ۔

> سلطان محمد صابر کی تصنیفات و تالیفات مقصد یت اور افادیت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ گلستان کوئٹہ کے ایک خوشنوا اور خوش الحان بلبل تھے۔ "ہیواد" کی مٹی کی خوشبو اور رنگینی نے انہیں شہرت اور عظمت سے ہمکنار کیا اور پشتونوں کے حسب نسب اور رنگ ونسل کے بارے میں صحیح اور حقیقی تاریخ اور تحریک نے ان کی تاریخی اور عملی بصیرت کو چار چاند لگائے وہ بلوچستان کے سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی حلقوں کے روح رواں تھے۔۱۱

بنجامن فرینکلن لکھتے ہیں:

> اگر تم چاہتے ہو کہ بعد از موت کوئی تمہیں فراموش نہ کرے، تو پڑھنے کے قابل تحریر صفحہ قرطاس پر منتقل کرو۔ یا ایسے امور سرانجام دو تا کہ لوگ ان کو ضبط تحریر میں لائیں۔

صابر صاحب اپنی زندگی کا بیشتر حصہ پشتو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں بسر کیا۔ وہ ایک سہ لسانی (اردو، پشتو اور فارسی) ادیب تھے۔ انہوں نے تاریخ، ادب اور سیاست پر بیشمار کتب شائع کی ہیں۔ یہاں انہوں نے کمیت اور کیفیت دونوں کا بھی بطور خاص خیال

رکھا ہے۔ بلحاظ مجموعی ان کی مختلف النوع موضوعات اور مضامین پر زیور طبع سے آراستہ کی گئی کتب کی کل تعداد دس ہیں۔ جن میں پاکستان، افغانستان اور بطور خاص بلوچستان کی سیاسی، مذہبی، ملی اور علاقائی و مقامی مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان میں ''*خپلواکی اور پاکستان*''*علوم القرآن* (ترجمہ)، گورہ جرگہ، قدیم پشتو اور پشتون، بلوچ، وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

علاوہ ازیں ان کی متعدد شعری اور نثری مسودے بھی غیر مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ ان کا اسلوب از حد سادہ، مختصر، جامع اور موثر ہے لیکن تاریخی اور تحقیقی حوالوں سے بھر پور ہے۔ ان کی طرز فکر اور انداز تحریر ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ جہاں انہوں نے پشتو زبان کے ساتھ ساتھ پشتوں قوم کے مستقبل کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

ما ویل زه به د پختون جهان روخان کړم

ستا د لاسه زمانې سنگه خراب شوم

ترجمہ: میرا خیال تھا کہ میں جہاں پشتون کو روشنی سے منور کردوں گا، لیکن ہائے افسوس کہ میں زمانے کے ہاتھوں از حد خوار و خستہ ہوا

ایک عظیم محقق اور ممتاز نقاد کے علاوہ صابر صاحب ایک مقتدر شاعر بھی ہیں۔ وہ لغات، استعارات اور علامات کے جاگیردار ہیں۔ ایک دانشور کا قول ہے۔

''جس ملت میں اچھے شاعر کا فقدان ہو، سمجھ لو کہ وہ ملت دنیا میں اچھی شہرت کی حامل نہیں ہوسکتی اس ضمن میں صابر صاحب کا ایک مشہور شعر ہے ۔

که نادانے نازولے سترگے نه وے

زما زړه به غړولے سترگے ولے؟

ترجمہ: اگر ناز دادا سے لبریز انکھیں نہ ہوتیں تو میں کبھی بھی انکھیں وا نہ کرتا

صابر صاحب کی غزلیں اور نظمیں پشتو کے مختلف جرائد و رسائل یا ان کے ابتدائی شعری مجموعہ ''*د زړه غبار*'' (غبار خاطر) کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ بہرحال انہوں نے غزل اور نظم دونوں میں یکساں طور پر معیار کو بطور خاص خیال رکھا ہے۔ لیکن دیگر دانشوروں کی مانند انہوں نے اپنے طویل ادبی سفر کا آغاز شاعری ہی سے کیا ہے۔ ان کی شاعری میں خاص کلاسیکی انداز کی جھلک جلوہ گر ہے۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے قدرتاً اور

فطرتاً کلاسیکی مزاج پایا ہے۔ ان کے ہاں مجازی حوالے سے عاشق، معشوق اور رقیب کی روایتی اور تقلیدی مثلث کے تحت محبوب کے حسن، سراپانگاری اور تصور محبوب کے کئے زاویے بخوبی دیکھئے جا سکتے ہیں۔

ان کی شاعری میں رجائیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ جہاں وہ مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کا پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔ صابر صاحب کی شاعری میں فکری ذہنی پختگی ان کی قادر القلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اشعار کی ساخت و پراخت دلاویز و دلکش اور رواں ہے۔ ان کا میلان بیانیہ نظموں کی طرف زیادہ ہے۔ ان کی نظموں کی ایک نمایاں خوبی ملی اور قومی احساس ہے۔ ان کے ہاں سیاسی و سماجی شعور بھی موجود ہے ۔

صابر صاحب کی ''کرنل برائیڈن کا تصور'' کے عنوان تحت لکھی گئی مخمس نما نظم جو سات حصوں پر مشتمل ہے ایک اعلی شعری کوشش ہے۔نظم ہذا ایک اہم تاریخی واقعہ رقم کرتی ہے۔ "جب افغانستان کی جنگ اول میں سترہ ہزار فرنگیوں کو درہ اسمار میں جوانمرد افغانوں نے تہہ تیغ کیا اور صرف کرنل برائیڈن کو چھوڑ دیا تو جس وقت وہ قبائیلی علاقہ کے دہشتناک اور سنگلاخ پہاڑوں سے گذر رہا تھا تو یہاں ان پر جو خوف و ہراس طاری تھا اور جس خوف و دہشت نے اس کا پیچھا کیا۔ اس کا ایک دلچسپ اور خوبصورت نقشہ صابر صاحب نے اپنی متذکرہ نظم میں پیش کیا ہے ۔**۱۲**

دوسری شہرہ آفاق نظم ''دزڑہ غبار'' (غبار خاطر) ہے جو ان کے شعری مجموعہ کا نام بھی ہے۔ نو اشعار پر مشتمل یہ ایک غزل نما اصلاحی نظم ہے۔ جس میں معاشرہ کی غیر منصفانہ تقسیم، جبرو استبداد اور عدم مساوات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

دے سور مخ او غٹ وجود تہ چی دے گورم
دومرہ وینہ دی پیدا کڑہ لہ کوم زاید

ترجمہ:جب میں تمہارے سرخ چہرے اور قوی ہیکل جسم کو دیکھتا ہوں۔ کہ اتنا سارہ خون تم نے کہاں سے پیدا کیا

یو سڑے یو دی ٹبر سل دی کورونہ
مونگ پیدانہ کڑہ بچو لہ د سر سایہ

ترجمہ: ایک مرد، ایک خاندان اور سو گھر! ہم نے تو اپنے بچوں کیلئے سر کا سایہ تک پیدا نہیں کیا

ستا دروغ، زمونگ رختیا چی سرہ ورشی
ہم قاضی زی، ہم جرگہ زی ستا پہ رایہ

ترجمہ: جب تمہاری دروغ گوئی اور ہماری سچائی مد مقابل ہو جائے تو قاضی اور جرگہ دونوں تمہاری رائے کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔

دا قسمت دے، کہ جادو دے کہ ہنر دے
سہ خو مونگ تہ ہم بڑایہ تہ و وایہ

ترجمہ: یہ قسمت ہے، جادو ہے یا ہنر، اے حکمران ! کچھ تو ہمیں بھی بتا دے ۔

"فدا کاری" صابر صاحب کی ایک اور اصلاحی اور معیاری نظم ہے جو مقصدیت، قومیت اور تاریخی اہمیت کی حسین مرقع ہے ۔

د میوند زمکہ ئے خڑوبہ کڑہ پہ وینو
زکہ بوئی قندہارہ د لونگ زی

ترجمہ: جب میوند کی سرزمین کو خون سے سیراب کیا گیا تو قندہار سے کرن پھول کی خوشبو آنے لگی

ہیس پختون لہ پختنو نہ جلا کیگی
کہ ئی سر تیرہ تورہ د اورنگ زی

ترجمہ: کوئی پشتون ہی پشتونوں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ چاہے اورنگزیب کی تیز دھار تلوار سے بھی اس کا سر جسم سے جدا ہو

ان کی حق : غزل نما نظم جو دس اشعار پر مشتمل ہے۔ اصلاحی اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں شاعر نے اپنی ملی تاریخ کی طرف نہایت خوبصورت اور مؤثر انداز سے اشارے کئے ہیں۔ بحر (وزن) چست و روا ہے۔ علاوہ ازیں پختگی، برجستگی اور سادگی نے بھی اس نظم کی خوبصورتی کو چار چاند لگائے ہیں:

اولسونہ بیداریگی تہ اودہ ئے
نہ د قام فکر کوے نہ د ہیواد

ترجمہ: اقوام عالم جاگ رہے ہیں اورتم نیند کی آغوش میں پڑے ہوئے ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ تمہیں نہ تو ملک کا غم دامنگیر ہے اور نہ وطنِ عزیز کا

انہوں نے مذہبی شاعری کی طرف بھی خاص توجہ دی ہے۔ ان کی شاعری کا محبوب ترین اور افضل ترین کردار حضرت محمدﷺ ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے لغت کی صنف کو جو ہماری مشرقی شاعری کی ایک پسندیدہ صنف ہے، بطور خاص اپنایا ہے۔ جو ان کی قادرالقلامی کا بین ثبوت ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں (اقبال)

نعت رسول مقبولؐ جو صابر صاحب نے سپرد قلم کی ہے، بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مندرجہ نعتیہ اشعار جو ایک غزل نما نظم کی ہیئت سے منتخب کئے گئے ہیں۔ جس میں حضر محمد(ص) کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور اُنکے جلال و جمال کی توصیف کی گئی ہے۔ مزید برآں یہاں اپنے پیشوا اور پیغمبر حضرت محمدﷺ سے اپنی بخشش اور شفاعت کے لئے دعا کی گئی ہے اور اس ضمن میں انکی صفات و اوصاف کی طرف واضح اشارے کئے گئے ہیں

ستا ستائنہ مصطفیﷺ کولے نہ شم
پہ دے خلہ دی ہیس نوم بللے نشم

ترجمہ: اے مصطفیﷺ! میں آپ کی تعریف کرنے کے قابل نہیں۔ میں اس منہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نام سے بھی نہیں پکار سکتا

انتہا د شرافت او کرامت ئے
کہ ہر سودی و ستا ئم ستائیلے نشم

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرافت و کرامت کی انتہا ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بھی تعریف کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

ایک عظیم نظم گو کے پہلو بہ پہلو صابر صاحب ایک مقتدر غزل گو شاعر بھی ہیں۔ ان

کی غزل کا اندازِ فکر مثبت، سادہ اور برجستہ ہے۔ جس میں رنگ تغزل کوٹ کوٹ بھرا ہوا ہے۔ مزید برآں اس میں انقلابی فکر اور اصلاحی رجحان بدرجہ اتم موجود ہے۔ لہذا ان کی مختلف غزلوں کے چند مختلف الموضوع اور مختلف النوع اشعار پیش خدمت ہیں:

چی وصال می د خپل یار پہ کے نصیب شی
ہغہ شپہ دی خدائے ہیچرے سہار نہ کا

ترجمہ: جس میں وصال یار نصیب نہ ہو۔ خدا کرے کہ اس رات کو کبھی بھی صبح نصیب نہ ہو۔

چی پہ خلہ مے باور نہ کڑی نو بہ سہ کڑم
پہ جڑا کہ دواڑہ کسی ہم ڑاندہ کڑم

ترجمہ: جب وہ میری بات کو قابل یقین گردانتا ہی نہیں تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ چاہے پے درپے اشکباری سے نابینا بھی ہو جاؤں

پہ مزاج د یار پوئے نہ شوم سر تا پایہ
چی صفت ئی درخسار کہ د باڑہ کڑم

ترجمہ: میں سرتاج پا مزاج یار کونہیں سمجھا ہوں۔ کہ میں اس کے رخسار یا پلکوں کی صفت کروں

د امید نیلے مے زغلی نہ دریگی
حوادث د زمانے بہ یے ایسار نہ کا

ترجمہ: میرا سب امید کے در پے دوڑتا رہتا ہے۔ حوادث زمانہ اسے پابند لگام نہیں کر سکتا

سلطان محمد صابر ایک شہرہ آفاق اور بلند پایہ مورخ بھی ہیں۔ وہ حسب و نسب اور رنگ ونسل کے لحاظ سے پشتونوں کو بنی اسرائیل کی بجائے اریا نسل نظریئے سے متفق ہیں۔ اپنے اس نظریئے کا اظہار وہ اپنے اس شعر میں مختصراً یوں طشت ازبام کرتے ہیں:

ثانی نہ لری پختون پہ اسیا کے
شک یی نشتہ پہ نسب د اریا شے

ترجمہ: پشتون کی اسیا میں ثانی نہیں۔ بلا شبہ وہ اریا النسل ہیں

بلحاظ مجموعی ان کی غزلیں مقصدیت اور تاریخی حوالوں سے مزین ہیں۔ جن میں ان کی ملی شعور اور حب الوطنی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ صابر صاحب کا تخلیق کردہ تخلیقی

ادب لفظ و معنی، فکر و فن، خارجی حقائق اور واردات قلب کا ایک حسین امتزاج ہے۔ با الفاظ دیگر انکا مقصد ان کے فن پر ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ نہ ان کے فن نے ان کے مقصد کو زیر باد کر رکھا ہے۔ بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں اپنے تخلیقی اور تحقیقی سفر کے دوران ہر جگہ اعتدال و میانہ روی کا دامن تھام رکھا ہے۔ اس ضمن میں وہ اس نظریئے کے قائل ہیں:

''خیر امور وسطہا

انہوں نے معاشرہ کی اور پژمردگی کو استعاراتی اصطلاحاتی اور علامتی پیرہن زیب تن کیا ہے۔ یوں ان کے اعلی اسلوب نے اعلی مضمون کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں رنگینی اور جذبے کی صداقت بدرجہ اتم موجود ہے۔ علاوہ ازیں صابر صاحب ایک کہنہ مشق اور مشاق مقدمہ نگار، تبصرہ نگار اور فلیپ نگار بھی رہے ہیں۔

صابر صاحب کے بابائے پشتو غزل حمزہ شنواری(1907 سے 1994ء) سے بھی خصوصی دوستانہ مراسم تھے۔ لہذا حمزہ شنواری نے اپنی سوانح حیات (خود نوشت)میں اپنے رفقاء کی فہرست میں ان کا نام بھی شامل کیا ہے اس ضمن میں وہ ایک عجیب و غریب انکشاف کو بے نقاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> قصہ یوں تھا کہ صابر نے خواب میں ایک بزرگ کی زیارت کی اور وہ ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے خدو خال صابر صاحب کے حافظہ میں جم کر رہ گئے۔ اتفاق سے یہ بزرگ میرے مرشد سید عبدالستار شاہؒ تھے اور ان کے مرید کوئٹہ میں مقیم تھے۔ صابر ہمارے مرشد کے مرید کے دوست تھے۔ اور جب صابر نے میرے مرشد کو دیکھا تو بیحد تعجب ہوئے۔ عالم خواب میں جن بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی، ہو بہو ان کے سامنے تھے ۔۱۳

بعد ازاں حمزہ شنواری اپنی مذکورہ سوانح عمری میں صابر صاحب کی فطری اور تخلیقی صلاحیتوں کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ان کی تعلیم و اجبی سی ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی ڈگری ہے۔لیکن قدرت نے انہیں بے پناہ فطری صلاحیتوں سے نوازہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر علمی موضوع پر اظہار خیال کی قدرت رکھتے ہیں۔۱۴

حمزہ شنواری صابر صاحب کی شخصیت اور ادبی خدمت کے بارے میں اظہار بھی قابل ذکر ہے۔

صابر نے پشتو ادب کی بہت خدمت کی ہے۔ نہ صرف پشتو ادب کی بلکہ اردو ادب میں اضافہ کے سبب بنے۔ بیحد مہمان نواز، حلیم الطبع اور ملنسار ہیں۔ ریڈیو پاکستان کوئٹہ سے نشریات کرتے رہتے ہیں۔۔۔امسال 1981ء میں حکومت نے ان کی ادبی اور ملکی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں متعدیہ وظیفہ بھی دیا ہے، خصوصی طور پر غیر ملکی پروپیگنڈے کا بھر پور مقابلہ کیا۔ ۱۵

سلطان محمد صابر نے اپنی زندگی ایک مقصد کے لیے وقف کی تھی اور یہ پس ماندہ پشتونوں اور پشتو زبان کو فروغ دینے کے لئے تھا۔ وہ خود ایک عالم و فاضل شخصیت تھے۔ بدین سبب علماء کو پسند کیا کرتے تھے اور انکے ساتھ نشست و برخاست کیا کرتے تھے ۔

عظیم شاعر و ادیب ایوب صابر(۱۹۲۲ء-۱۹۸۹ء) اپنے تذکرہ میں سلطان محمد صابر کے ادبی اور صحافتی مقام کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سلطان محمد صابر کا شمار بلوچستان میں پشتو کے چوٹی کے شعراء و ادباء میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر بھی ہیں ادیب بھی، محقق بھی ہیں اور ہفت روزہ ہیواد کوئٹہ مالک و مدیر بھی، ان کا اخبار بلوچستان میں ایک عرصہ سے پشتو زبان و ادب کی ترویج میں مصروف ہے اور ان کا صحافتی کارنامہ کوئٹہ میں ان کے ہمعصر شعراء و ادباء کے ادبی کارناموں پر بھاری ہے۔ ۱۶

الغرض وہ اپنی 83 سالہ زندگی میں ادب، صحافت اور سیاست کے ایوانوں کو جگمگاتا رہا۔ یہ مشہور مصرعہ انکے حسب حال ہے ۔عمر گزری ہے اس دشت کی سیاحی میں‌ان کی شبانہ روز روزی کا کلی انحصار انکی رشحات قلم کی مرہون منت ہے۔ وہ ایک جزوقتی نہیں بلکہ کل وقتی ادیب تھے۔ دنیاوی اور مادی لحاظ سے وہ بہتی دامن تھے۔ انہوں نے سرزمین ادب میں امن و امان اور سلامتی کا بیج بویا اور پیار و محبت کی قندیلیں روشن کیں۔ ان کی نگاہ بلند، سخن دلنواز اور حال پرسوز تھی۔ لہذا انہوں نے یہی رخت سفر بحیثیت میر کارواں زیب تن کیا تھا۔

د ملنگ نہ کچکول پاتے کیگی او د بادشاہ نہ بادشاہی

(فقیر اپنے پیچھے کشکول چھوڑ جاتا ہے اور بادشاہ بادشاہی)

حوالہ جات

۱۔ بلوچستان پاکستان کا مشہور صوبہ ہے جو بلحاظ رقبہ پاکستان کے تمام صوبوں سے بڑا اور بلحاظ آبادی چھوٹا ہے

۲۔ کوئٹہ (Quetta) جسے مقامی زبان میں کوئٹہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ''کوٹ'' کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے یہ علاقہ ماقبل تاریخ کے دور Pre historic age میں مختلف تہذیبوں اور سلطنتوں کا گہوارہ رہاہے۔ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدہ ہجری تک یہ علاقہ کابل کا حصہ تھا۔ قیام پاکستان کے بعد کوئٹہ بلوچستان کا صوبہ اور دارالخلافہ قرار دیا گیا
انگریزوں کی بلوچستان آمد سے قبل سلطان محمود غزنوی (997-1030ء) کے دور میں فارسی کا معروف شاعر فردوسی سلطان کا درباری شاعر تھا۔ جس نے اپنے شاہنامہ میں بلوچستان کے شامل کا ذکر کیاہے۔

۳۔ *ماہنامہ سہار کوئٹہ*۔سلطان محمد صابر کی یاد میں، ص۳۔
۴۔ *ماہنامہ سہارکوئٹہ*۔ سلطان محمد صابر کی یاد میں، ص ۳۔
۵۔ سہ ماہی *تاترہ*، سلطان محمد صابر، ص ۱۷۸۔
۶۔ د پختو *ادب زلندہ ستوری*، ص ۵۹۰۔
۷۔ سہ ماہی *تاترہ* ۲۰۰۸ء سلطان محمد صابر، ص ۱۷۸۔
۸۔ ماہنامہ *سہار کوئٹہ*، ص ۷۳۔
۹۔ سہ ماہی *تاترہ*، سلطان محمد صابر، ص ۱۷۸۔
۱۰۔ سہ ماہی *تاترہ* اکتوبر۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۱۷۳۔
۱۱۔ سہ ماہی *تاترہ* اکتوبر2008 تا مارچ 2009ء، ص ۱۷۷۔
۱۲۔ د پختوادب *زلندہ ستوری* خون زادہ فرمان مسافر، ص ۵۹۳۔
۱۳۔ *نقش حیات* (خود نوشت)، ص ۳۰۶۔
۱۴۔ *نقش حیات* (خود نوشت)، ص ۳۰۶۔
۱۵۔ *نقش حیات* (خود نوشت)، ص ۳۰۶۔
۱۶۔ *جدید پشتو ادب*، ص ۲۶۷۔